سرورِ عالم

[یہ تقریر ۱۰ اپریل سنہ ۴۱ء کو نشرگاہِ لاہور سے نشر کی گئی تھی اور آل انڈیا ریڈیو کی اجازت سے یہاں نقل کی جاتی ہے]

ہم مسلمان حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو "سرورِ عالم" کہتے ہیں۔ سیدھی سادی زبان میں اس کا مطلب ہے "دنیا کا سردار"۔ ہندی میں اس کا ترجمہ "جگت گرو" ہوگا اور انگریزی میں (Leader of the world) بظاہر یہ بہت بڑا خطاب ہے مگر جس بلند پایہ ہستی کو یہ خطاب دیا گیا ہے اُس کا کارنامہ واقعی ایسا ہے کہ اُس کو سرورِ عالم کہنا مبالغہ نہیں عین حقیقت ہے۔

دیکھیے! کسی شخص کو دنیا کا لیڈر کہنے کے لیے سب سے پہلی شرط یہ ہونی چاہیے کہ اُس نے کسی خاص قوم، یا نسل یا طبقہ کی بھلائی کے لیے نہیں بلکہ تمام دنیا کے انسانوں کی بھلائی کے لیے کام کیا ہو۔ ایک محب وطن یا ایک قوم پرست لیڈر کی آپ اس حیثیت سے جتنی چاہیں قدر کریں کہ اس نے اپنے لوگوں کی بڑی خدمت کی، لیکن اگر آپ اسکے ہم وطن یا ہم قوم نہیں ہیں تو وہ آپکا لیڈر بہر حال نہیں ہو سکتا۔ جس شخص کی محبت، خیر خواہی اور کارگزاری سب کچھ چین یا ہسپانیہ تک محدود ہو، مجھ ہندوستانی کو اس سے کیا تعلق کہ میں اسے اپنا لیڈر مانوں؟ بلکہ اگر وہ اپنی قوم کو دوسروں سے افضل ٹھیراتا ہو اور دوسروں کو گرا کر اپنی قوم کو چڑھانا چاہتا ہو تو میں اس سے نفرت کرنے پر مجبور ہوں۔ ساری قوموں کے انسان کسی ایک شخص کو اپنا لیڈر صرف اسی صورت میں مان سکتے ہیں جبکہ اسکی نگاہ میں سب قومیں اور سب آدمی یکساں ہوں، وہ سب کا یکساں خیر خواہ ہو، اور اپنی خیر خواہی میں کسی طرح ایک کو دوسرے پر ترجیح نہ دے۔

دوسری اہم شرط جو دنیا کا لیڈر ہونے کے لیے ضروری ہے وہ یہ ہے کہ اس نے ایسے اصول پیش کیے ہوں جو تمام دنیا کے انسانوں کی رہنمائی کرتے ہوں جن میں انسانی زندگی کے تمام اہم مسائل کا حل موجود ہو۔ لیڈر کے معنی ہی رہنما کے ہیں۔ لیڈر کی ضرورت ہوتی ہی اس لیے ہے کہ وہ فلاح اور بہتری کا راستہ بتائے۔ لہذا دنیا کا لیڈر وہی ہو سکتا ہے جو ساری دنیا کے انسانوں کو ایسا طریقہ بتائے جس میں سب کی فلاح ہو۔

تیسری لازمی شرط دنیا کا لیڈر ہونے کے لیے یہ ہے کہ اسکی رہنمائی کسی خاص زمانے کے لیے نہ ہو بلکہ ہر زمانے اور ہر حال میں یکساں مفید، یکساں صحیح اور یکساں قابلِ پیروی ہو۔ جس لیڈر کی رہنمائی ایک زمانہ میں کار آمد اور دوسرے زمانہ میں بیکار ہو اسکو دنیا کا لیڈر نہیں کہا جا سکتا۔ دنیا کا لیڈر تو وہی ہے کہ دنیا جب تک قائم رہے اسکی رہنمائی بھی کار آمد رہے۔

چوتھی اہم ترین شرط یہ ہے کہ اس نے صرف اصول پیش کرنے ہی پر اکتفا نہ کی ہو بلکہ اپنے پیش کردہ اصولوں کو زندگی میں عملاً جاری کر کے دکھایا ہو اور انکی بنیاد پر ایک جیتی جاگتی سوسائٹی پیدا کر دی ہو۔ محض اصول پیش کرنے والا زیادہ سے زیادہ ایک مفکر (Thinker) ہو سکتا ہے، لیڈر نہیں ہو سکتا۔ لیڈر ہونے کے لیے ضروری ہے کہ آدمی اپنے اصولوں کو عمل میں لا کر دکھائے۔

آئیے اب ہم دیکھیں کہ یہ چاروں شرطیں اس ہستی میں کہاں تک پائی جاتی ہیں جس کو ہم سرورِ عالم کہتے ہیں۔

پہلی شرط کو پہلے لیجیے۔ آپ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا مطالعہ کریں تو ایک ہی نظر میں محسوس کر لینگے کہ یہ کسی قوم پرست یا محبِ وطن کی زندگی نہیں ہے بلکہ ایک محبِ انسانیت اور ایک عالمگیر نظریہ رکھنے والے انسان کی زندگی ہے۔ اُن کی نگاہ میں تمام انسان یکساں تھے۔ کسی خاندان، کسی طبقے، کسی قوم، کسی نسل، یا کسی ملک کے خاص مفاد سے انہیں کوئی دلچسپی نہ تھی۔ امیر اور غریب

اونچ اور نیچ، کالے اور گورے، عرب اور غیر عرب، مشرقی اور مغربی، سامی اور آرین، سب کو وہ اس حیثیت سے دیکھتے تھے کہ یہ سب ایک ہی انسانی نسل کے افراد ہیں۔ اُنکی زبان سے تمام عمر کوئی ایک لفظ یا ایک فقرہ بھی ایسا نہ نکلا، اور نہ زندگی بھر میں کوئی کام انہوں نے ایسا کیا جس سے یہ شبہ کیا جاسکتا ہو کہ انہیں ایک طبقۂ انسانی کے مقابلہ میں دوسرے طبقۂ انسانی کے مفاد سے زیادہ تعلق ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انکی زندگی ہی میں حبشی، ایرانی، رومی، مصری اور اسرائیلی اُسی طرح اُنکے رفیق کار بنے جس طرح عرب، اور اُنکے بعد زمین کے ہر گوشے میں ہر نسل اور ہر قوم کے انسانوں نے اُنکو اُسی طرح اپنا رہنما تسلیم کیا جس طرح خود اُنکی اپنی قوم نے۔ یہ اسی خالص انسانیت ہی کا کرشمہ تو ہے کہ آج آپ ایک ہندوستانی کی زبان سے اُس شخص کی تعریف سُن رہے ہیں جو صدیوں پہلے عرب میں پیدا ہوا تھا۔

اب دوسری اور تیسری شرط کو ایک ساتھ لیجیے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے مخصوص قوموں اور مخصوص ملکوں کے وقتی اور مقامی مسائل سے بحث کرنے میں اپنا وقت ضائع نہیں کیا بلکہ اپنی پوری قوت دنیا میں انسانیت کے اُس بڑے مسئلے کو حل کرنے پر صرف کردی جس سے تمام انسانوں کے سارے چھوٹے چھوٹے مسائل خود حل ہو جاتے ہیں۔ وہ بڑا مسئلہ کیا ہے؟ وہ صرف یہ ہے کہ کائنات کا نظام فی الواقع جس اصول پر قائم ہے، انسان کی زندگی کا نظام بھی اُسکے مطابق ہو، کیونکہ انسان اس کائنات کا ایک جزء ہے اور جزء کی حرکت کا کُل کے خلاف ہونا ہی خرابی کا موجب ہے۔ اگر آپ اس بات کو سمجھنا چاہتے ہیں تو اسکی آسان صورت یہ ہے کہ اپنی نگاہ کو ذرا کوشش کرکے زمان اور مکان کی قیود سے آزاد کر لیجیے اور پورے کرۂ زمین پر اس طرح نظر ڈالیے کہ ابتدا سے آج تک اور آئندہ غیر محدود زمانہ تک بسنے والے تمام انسان بیک وقت آپکے سامنے ہوں۔ پھر دیکھیے کہ انسان کی زندگی میں خرابی کی جتنی صورتیں پیدا ہوئی ہیں یا ہونی ممکن ہیں اُن سب کی جڑ کیا ہے یا کیا ہو سکتی ہے۔ اس سوال پر آپ جتنا غور کرینگے، جتنی چھان بین اور تحقیق کرینگے، حاصل یہی نکلے گا کہ انسان کی خدا سے بغاوت تمام خرابیوں کی جڑ ہے۔ اسلیے کہ خدا سے

باغی ہو کر انسان لازمی طور پر دو صورتوں میں سے کوئی ایک ہی صورت اختیار کرتا ہے : یا تو وہ اپنے آپ کو خود مختار اور غیر ذمہ دار سمجھ کر من مانی کارروائیاں کرنے لگتا ہے اور یہ چیز اُسے ظالم بنا دیتی ہے، یا پھر وہ خدا کے سوا دوسروں کے حکم کے آگے سر جھکانے لگتا ہے اور اس سے دنیا میں فساد کی بے شمار صورتیں پیدا ہوتی ہیں۔ اب یہ سوچنے کی بات ہے کہ خدا سے بے پروا ہو کر یہ خرابیاں کیوں پیدا ہوتی ہیں؟ اس کا سیدھا اور صاف جواب یہ ہے کہ ایسا کرنا چونکہ حقیقت کے خلاف ہے اس لیے اس کا نتیجہ برا نکلتا ہے۔ یہ ساری کائنات فی الواقع خدا کی سلطنت ہے۔ زمین، سورج، چاند، ہوا، پانی، روشنی سب خدا کی ملک ہیں۔ اور انسان اس سلطنت میں پیدائشی بندے کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ پوری سلطنت جس نظام پر قائم ہے اور جس نظام پر چل رہی ہے، اگر انسان اسکا ایک جزو ہونے کے باوجود اس سے مختلف رویہ اختیار کرے تو لامحالہ اس کا ایسا رویہ تباہ کن نتائج ہی پیدا کریگا۔ اس کا یہ سمجھنا کہ مجھ سے اوپر کوئی مقتدر اعلیٰ نہیں ہے جسکے سامنے میں جوابدہ ہوں، واقعہ کے خلاف ہے، اسلیے جب وہ خود مختار بن کر غیر ذمہ دارانہ طریقہ پر کام کرتا ہے اور اپنا قانون زندگی آپ تجویز کرتا ہے تو نتیجہ برا نکلتا ہے۔ اسی طرح اُس کا خدا کے سوا کسی اور کو صاحب اختیار و اقتدار ماننا اور اس سے خوف یا لالچ رکھنا اور اسکی آقائی کے آگے جھک جانا بھی حقیقت کے خلاف ہے، کیونکہ فی الحقیقت اس پوری کائنات میں خدا کے سوا کوئی بھی یہ حیثیت نہیں رکھتا، لہٰذا اس کا نتیجہ بھی برا ہی نکلتا ہے۔ صحیح نتیجہ برآمد ہونے کی صورت اس کے سوا کوئی نہیں ہے کہ زمین اور آسمان میں جو حقیقی حکومت ہے، انسان اسکے سامنے سر جھکا دے، اپنی خودی و خودسری کو اُسکے آگے تسلیم کر دے، اپنی اطاعت اور بندگی کو اسکے لیے خالص کر دے، اور اپنی زندگی کا ضابطہ و قانون خود بنانے یا دوسروں سے لینے کے بجائے اُس سے لے۔

یہ بنیادی اصلاح کی تجویز ہے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانی زندگی کے لیے پیش کی ہے

یہ مشرق اور مغرب کی قید سے آزاد ہے۔ روئے زمین میں جہاں جہاں انسان آباد ہیں، یہی ایک اصلاحی تجویز انکی زندگی کی بگڑی ہوئی کل کو درست کرسکتی ہے۔ اور یہ ماضی و مستقبل کی قید سے بھی آزاد ہے۔ ڈیڑھ ہزار برس پہلے یہ جتنی صحیح اور کارگر تھی اتنی ہی آج بھی ہے اور اتنی ہی دس ہزار برس بعد بھی ہوگی۔

اب آخری شرط باقی رہ جاتی ہے۔ یہ تاریخی حقیقت ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف خیالی نقشہ ہی پیش نہیں کیا بلکہ اس نقشہ پر ایک زندہ سوسائیٹی پیدا کرکے دکھادی۔ انہوں نے ۲۳ سال کی مختصر مدت میں لاکھوں انسانوں کو خدا کی حکومت کے آگے سر اطاعت جھکانے پر آمادہ کرلیا، اُن سے خود پرستی بھی چھڑوا دی اور خدا کے سوا دوسروں کی بندگی بھی، پھر اُنکو جمع کرکے خالص خدا کی بندگی پر ایک نیا نظام اخلاق، نیا نظام تمدن، نیا نظام معیشت، اور نیا نظام حکومت بنایا، اور تمام دنیا کے سامنے اس بات کا عملی مظاہرہ کردیا کہ جو اصول وہ پیش کررہے ہیں اس پر کیسی زندگی بنتی ہے اور دوسرے اصولوں کی زندگی کے مقابلہ میں وہ کتنی اچھی، کتنی پاکیزہ اور کتنی صالح ہے۔

یہ وہ کارنامہ ہے جسکی بنا پر ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو سرورِ عالم یا دنیا کا لیڈر کہتے ہیں۔ اُن کا یہ کام کسی خاص قوم کے لیے نہ تھا، تمام انسانوں کے لیے تھا۔ یہ انسانیت کی مشترک میراث ہے جس پر کسی کا حق کسی دوسرے سے کم یا زیادہ نہیں ہے۔ جو چاہے اس میراث سے فائدہ اٹھائے۔ میں نہیں سمجھتا کہ اسکے خلاف کسی کو تعصب رکھنے کی آخر کیا وجہ ہوسکتی ہے۔

ہماری ایجنسی!

لکھنو میں ہماری ایجنسی احترام اینڈ سنز جنرل مرچنٹس کے پاس ہے۔

اہل لکھنو کو ہماری جو مطبوعات درکار ہوں۔ وہ ایجنسی سے طلب کرسکتے ہیں۔

(مینیجر)